رمضان اور قرآن

یقین توکل

مدینہ... مدینہ

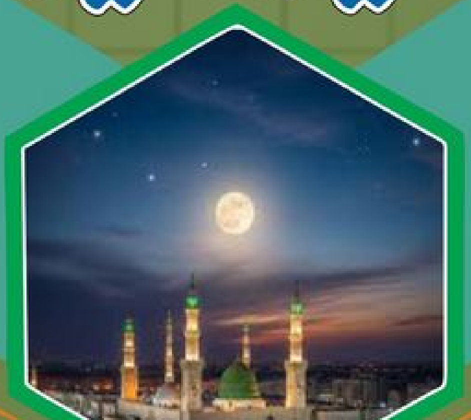

قیمتی وقت

نعتِ رسول ﷺ

ارضِ طیبہ عجیب بستی ہے
جس کو ہر اک نظر ترستی ہے
بالیقیں زائر حرم کے لیے
ہر قدم جذب کیف و مستی ہے
آپ کی ذاتِ پاک ہے سب کچھ
مری ہستی بھی کوئی ہستی ہے
دل کی دنیا کو کیا کہیں آخر
رحمتِ عرش خود برستی ہے
پیئے نعت نبی مئے انوار
میرے افکار پر برستی ہے
صبیح بے جمال درِ حضور
زندگی موت کو ترستی ہے

یقین اور توکّل

مدینہ...مدینہ

اللہ تعالیٰ ہمارے لیے ”رمضان المبارک“ میں ”برکت“ عطاء فرمائیں......اور ہمیں مغفرت والا مقبول ”رمضان المبارک“ نصیب فرمائیں......

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَمَضَانَ وَتَسَلَّمْهُ مِنَّا مُتَقَبَّلًا

باتیں بہت ہیں مگر

اس وقت جو حالات چل رہے ہیں......اُن کے تناظر میں بہت سی باتوں کے ”مذاکرہ“ کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے......مگر ”رمضان المبارک“ کے قیمتی اوقات ہیں......اِن اوقات میں باتوں سے زیادہ ”عمل“ قیمتی ہوتا ہے......اس لیے اپنا اور آپ کا وقت بچانے کے لیے مختصر بات کی کوشش ہو گی ان شاءاللہ......اللہ تعالیٰ ایسی مفید باتوں کی توفیق عطاء فرمائیں جو میرے اور آپ کے لیے ”عمل صالح“ بن جائیں......

حالات خود بول رہے ہیں

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اِن دنوں موبائل، خبروں اور تجزیوں سے کافی حد تک دوری ہے......نہ

کوئی تجزیے......نہ کوئی ویڈیو...... البتہ حالات سے آگاہ رہنے کے لیے مختصر وقت کے لیے کچھ خبریں پڑھ اور سمجھ لیتے ہیں...... اور اس وقت جو خبریں آ رہی ہیں وہ نہ کسی تبصرے کی محتاج ہیں اور نہ کسی تجزیے کی...... بعض اوقات حالات خود بولنا شروع کر دیتے ہیں......موجودہ خبروں میں خوشیاں بھی ہیں اور غم بھی......

مگر یہ بات تو واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بہت سی نشانیاں ظاہر ہو رہی ہیں......اور حالات خود بڑے بڑے سؤالات کے جوابات دیتے جا رہے ہیں......الحمدللہ ''اہلِ ایمان'' کے لیے نہ کوئی مایوسی کی بات ہے اور نہ کوئی ناکامی کی......

ایک بڑا طنز ٹوٹ رہا ہے

دنیا میں ظاہری ترقی کرنے والے بعض دانشور......مسلمانوں پر طنز کرتے تھے کہ تم لوگ کبھی ترقی نہیں کر سکتے......کیونکہ تم آخرت کا عقیدہ رکھتے ہو......

تمہارے نزدیک جب آخرت کی کامیابی اور تیاری ہی اصل چیز ہے تو تم دنیا میں کیسے ترقی کرو گے؟......آج کل کے حالات اس بھاری طنز کا جواب دے رہے ہیں...... ہر طرف جنگ ہی جنگ ہے......اور موت ہی موت......

اس وقت دنیا کے کئی ممالک میں اکٹھی جنگ چل رہی ہے......طاقتور بھی مر رہے ہیں اور کمزور بھی...... وہ ممالک جنہوں نے بظاہر ترقی کر لی تھی اب خوف سے لرز رہے ہیں...... کسی کو معلوم نہیں کہ آگے کیا ہونے والا ہے؟......کوئی نہیں جانتا کہ کون اس کا دوست ہے اور کون اس کا دشمن؟...... دنیا نے یہی ترقی کی کہ...... لوگوں کا امن چھین لیا...... لوگوں کی خود مختاری سلب کر لی...... روزانہ سینکڑوں، ہزاروں لوگ مر رہے ہیں...... اور جنگ پھیلتی جا رہی ہے...... اب وہ لوگ جنہوں نے دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ رکھا تھا......وہ سخت پریشان ہیں...... کیونکہ دنیا تو تباہی کی طرف بڑھ رہی ہے اور تباہ ہوتی جا رہی ہے......مگر وہ ایمان والے مطمئن

ہیں جنہوں نے آخرت کو مانا اور آخرت کی تیاری کی...... اُن کے نزدیک موت کوئی آفت یا مصیبت نہیں ہے...... بلکہ انسان کے سفر کا ایک مرحلہ ہے جو ضرور آنا ہے...... اور انسان کی اصل کامیابی آخرت میں ہے...... اس لیے نہ کسی میزائل کا خوف ہے اور نہ کسی ایٹمی حملے کا...... موت حقیقت ہے...... اور آخرت اس سے بھی بڑی حقیقت ہے...... موت اور آخرت کی تیاری کی ہوئی ہو تو پھر کیا فرق پڑتا ہے کہ انسان کس طرح سے مرتا ہے...... اور یہ بات بھی پکی ہے کہ...... وہ جو انسانوں کو مار کر خوش ہو رہے ہیں...... وہ خود بھی عنقریب مر جائیں گے......

اس لیے اہل ایمان...... اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے...... کسی سے نہیں دبتے......

حالیہ ترقی کے اثرات

موجودہ زمانے میں سائنس نے جو ترقی کی ہے...... اس کے نتائج ساری دنیا کے سامنے آ رہے ہیں...... یہ ترقی نہ انسانوں کو امن دے سکی نہ برابری اور مساوات...... اس ترقی سے نہ لوگوں کی صحت اچھی ہوئی...... اور نہ ان کی طرز زندگی...... ہر طرف بھوک، خوف، بدامنی اور جرائم ہیں...... اپنے گھر بیٹھ کر...... ہزاروں میل دور بیٹھے کسی انسان کو قتل کرنے کی طاقت پا لینا کونسی ترقی ہے؟ انسانوں کے مستقبل کو مشینوں اور مصنوعی ذہانت کے حوالے کر دینا کونسی ترقی ہے؟ ترقی تو وہ ہوتی ہے جو فائدہ دے...... جو زندگی دے...... جو صحت دے...... جو خوشی دے...... خوف پھیلانا تو ’’دجال‘‘ کا کام ہے...... ’’مدینہ منورہ‘‘ میں بیٹھ کر...... ساری دنیا میں...... امن، سکون اور خوشی...... حضرت محمد ﷺ نے پھیلائی...... جبکہ آج کے طاقتور حکمران...... خود کو ایسا موذی سانپ ثابت کر رہے ہیں جو دنیا میں کسی کو بھی...... ڈس سکتا ہے...... مار سکتا ہے......

یہی فرق ہے جہاد اور جنگ میں...... اگر کوئی غور کرے......

جہاد کی ٹھنڈی ہوائیں

حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں جہاد ہوا...... جہاں بھی جہاد ہوا وہاں امن آگیا...... وہاں ترقی آگئی...... وہاں خوشی آگئی......

حضرات خلفاء راشدین کے زمانے میں بھی بھرپور جہاد ہوا...... یہ جہاد اپنے کاندھوں پر...... ترقی، خوشی، امن اور خوشحالی اُٹھائے ہوئے تھا...... بس ایک جنگ ہوتی تھی...... اور اس علاقے کی قسمت بدل جاتی تھی...... چند فسادی افراد مارے جاتے...... جبکہ باقی افراد کو کامیابی کا راز مل جاتا...... وحشی قومیں مہذب ہو جاتیں فقیر قومیں غنی ہو جاتیں...... ٹوٹے ہوئے معاشرے جڑ جاتے...... اور لوگوں کو بہترین زندگی جینے کا نظام اور سلیقہ مل جاتا...... اسلام کا جہاد نہ تو کسی کی شخصی حکومت قائم کرنے کے لیے ہوتا تھا...... اور نہ کسی کی شخصی حکومت گرانے کے لیے...... وہ نہ کسی کا رعب بٹھانے کے لیے ہوتا تھا...... اور نہ کسی ملک کے قیمتی وسائل چرانے کے لیے...... اس میں حکمرانوں کے صرف چہرے نہیں بدلے جاتے تھے بلکہ اُن کو...... ایک کامیاب نظام دیا جاتا تھا...... اسلام میں آخرت پر یقین کا عقیدہ پکا ہے...... مگر یہی عقیدہ...... اُن کو دنیا میں بھی ترقی دلاتا ہے...... اس لیے کہ موت کی یاد...... انسان کے اخلاق کو سنوار دیتی ہے...... اور اسے اپنے اعمال کو درست کرنے کی ترغیب دیتی ہے......

چنانچہ جہاد...... نور پھیلاتا ہے...... خوشحالی لاتا ہے...... امن قائم کرتا ہے اور فساد کا خاتمہ کرتا ہے...... جبکہ کافروں کی جنگیں...... صرف قتل وغارت، لوٹ مار...... اور تباہی کا ذریعہ بنتی ہیں...... جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے...... اس وقت کئی ممالک پر...... اندھے میزائل برس رہے ہیں...... مصنوعی ذہانت نے ہتھیاروں کا کنٹرول سنبھال رکھا ہے...... اور ایک چھوٹی سی غلطی زمین کے بڑے حصے کو تباہی سے دوچار کر سکتی ہے...... اگر ایسی تباہی آگئی تو...... اس تباہی میں مرنے والوں کی...... دنیا ختم ہو جائے گی...... پھر اگر وہ آخرت کو بھی نہیں مانتے تو...... انہوں

نے سوائے خسارے کے اور کیا حاصل کیا؟

محاذ دروازوں پر آرہے ہیں

موجودہ جنگ اور افراتفری کا انجام کیا ہوگا؟ ظاہری بات ہے کہ اس جنگ میں وسیع پیمانے پر ہلاکتیں ہوں گی...... ممکن ہے کئی ملک ٹوٹ جائیں...... یہ بھی امکان ہے کہ کئی نئے ملک وجود میں آجائیں...... اور یہ بھی ناممکن نہیں کہ کئی ملک بری طرح سے تباہ و برباد ہو جائیں......

حماس کے اللہ والے مجاہد تو کافی عرصہ سے کہہ رہے ہیں کہ...... اسرائیل ختم ہونے والا ہے...... اللہ تعالیٰ ان کی زبان مبارک فرمائے......

آپ موجودہ ''جنگ'' پر غور کریں...... آپ کا دل گواہی دے گا کہ...... یہ ''غزہ'' کے شہداء کرام کی واضح ''کرامت'' ہے...... ''غزہ'' کے معصوم شہید بچوں کی ارواح کا لشکر...... اپنے قاتلوں کو موت کے میدان میں گھسیٹ لایا ہے...... آج اسرائیلی فوجی اور شہری مارے جا رہے ہیں...... تل ابیب سمیت صہیونیوں کے تمام شہروں پر میزائل برس رہے ہیں...... امریکی طیارے گر گر کر تباہ ہو رہے ہیں...... امریکی فوجی مارے جا رہے ہیں اور بڑی تعداد میں زخمی ہو رہے ہیں...... اور یہ سب ایک ایسی جنگ میں ہو رہا ہے...... جس کا نہ امریکہ کو کوئی فائدہ ہے اور نہ اسرائیل کو...... ایران نے ماضی میں...... امریکہ کا بھرپور ساتھ دیا...... افغانستان، عراق اور دیگر کئی ممالک میں...... ایران نے امریکہ کا کام آسان کیا...... امریکہ اور اسرائیل کو ایران سے کوئی براہ راست خطرہ بھی نہیں تھا...... کیونکہ کبھی بھی ایران نے...... اِن ممالک یا اُن کے اہداف پر ابتدائی حملہ نہیں کیا...... ایران ایٹم بم بھی نہیں بنا رہا تھا...... اور اگر بنا بھی لیتا تو ''تل ابیب'' کی جگہ ''ریاض'' پر داغنا زیادہ مناسب سمجھتا...... ان سب حالات کے باوجود...... امریکہ نے ایران پر حملہ کر دیا...... اور اب وہ نقصان پر نقصان اُٹھا رہا ہے...... ایران کے اندرونی حالات سے واقف ایک باخبر شخص نے چند دن پہلے بتایا تھا کہ...... امریکہ ''ایران'' پر جلد حملہ

کرنے والا ہے...... اور روس اور چین جو بظاہر ایران کے حامی ہیں...... وہ خود چاہتے ہیں کہ...... امریکہ ''ایران'' پر حملہ کرے تا کہ وہ کمزور ہو جائے...... اور روس اور چین کو اپنی طاقت اور اجارہ داری بڑھانے کا موقع مل جائے...... اُن صاحب کا یہ تجزیہ درست ثابت ہوا...... امریکہ اور اسرائیل ''ایران'' پر چڑھ دوڑے جبکہ روس اور چین صرف بیانات دے رہے ہیں......

خیر بات کو مختصر کرتے ہیں...... دنیا جنگوں میں داخل ہو چکی ہے...... اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کی تیاری کا قطعی حکم...... قرآن مجید میں دیا ہوا ہے...... جہاد کی تیاری ہوتی ہے تو...... شہادت کا شوق بھی نصیب ہوتا ہے......

شہادت کا شوق نصیب ہو جائے تو دل سے ''خوف'' اور ''ذوقِ غلامی'' نکل جاتا ہے...... اور انسان ہر طرح کے حالات کے لیے تیار رہتا ہے...... آخری زمانے میں مسلمانوں کا...... ساری دنیا پر غلبہ ایک لازمی حقیقت ہے...... اور اب تو محاذ جنگ خود قریب قریب آتے جا رہے ہیں...... اہل ایمان...... اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کریں...... اور اللہ تعالیٰ پر ہی یقین اور توکل رکھیں......

حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللهِ تَوَكَّلْنَا ......

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَ بَارِكْ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

جہاد کا ہر وقت، ہر لمحہ بہت قیمتی ہے......

’’ایک صبح یا ایک شام جہاد میں لگانا دُنیا و مافیہا سے بہتر ہے‘‘......

ایک صبح یا شام تو بہت طویل وقت ہوتا ہے۔ یہاں تو اس سے بھی مختصر وقت کی یہ قیمت ہے کہ:

’’جس نے اتنی دیر جہاد کیا جتنی دیر میں اونٹنی کے تھنوں میں دودھ لوٹ آتا ہے، اُس کے لئے جنت واجب ہوگئی‘‘......

اس میں لڑائی کا وقت بھی قیمتی ہے اور آرام کا بھی، اس کی تیاری کا زمانہ بھی بہت بیش بہا ہے اور اس کی خاطر چلنا بھی بڑی بھاری نیکی ہے۔ اس کی دعوت بھی نامۂ اعمال کا بہت وزنی حصہ ہے اور اس میں مال خرچ کرنا بھی بڑی نسبت رکھتا ہے۔ اس کا خوف بھی قیمتی ہے اور اس کا امن بھی۔ غرضیکہ مجاہد کو جہاد میں جو بھی حالت پیش آئے وہ خیر ہی خیر ہے اور نیکی ہی نیکی ہے۔

لیکن اس کا سب سے قیمتی زمانہ کون سا ہوتا ہے؟

فتح کی شادمانی کا یا شکست کے زخموں اور آزمائش کے بوجھ کا؟

یہ سوال یہیں چھوڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔

جہاد میں فتح و شکست، خوشی اور غم کندھے سے کندھا ملا کر چلتے ہیں۔ ان کے ایام بدلتے

رہتے ہیں۔ یہاں ایک دن خوشی کا، شادمانی و کامرانی کا ہوتا ہے اور ایک دن غم و سوگ کا، بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہاں آنے والی فتح کی خوشی اپنے اندر بہت سے غم لئے آتی ہے کہ کئی پیارے جدا ہو جاتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے بچھڑ جاتے ہیں۔ اور اس میں آنے والے شدید غم کے ایام میں کئی لوگوں کے لئے زندگی کی عظیم ترین خوشی و کامرانی کا سامان ہوتا ہے کہ وہ اپنی منزلِ مقصود پا لیتے ہیں۔

جہاد کی اس کیفیت کو اِسلام اور جہاد کی سچائی کی علامت بنایا گیا۔ بخاری و مسلم میں وہ طویل روایت جس میں قیصر روم ہرقل کے ابوسفیان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے اسلام لانے سے قبل ان سے اسلام کے بارے میں کئی سوالات اور جواب منقول ہیں۔ اس نے پوچھا کہ کیا کبھی تم نے ان سے جنگ کی ہے اور اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ ابوسفیان نے جواب میں کہا کہ ہم نے ان سے کئی بار جنگ کی ہے اور نتیجہ یہ رہا کہ کبھی وہ غالب رہے کبھی ہم۔ ہرقل نے کہا:

''انبیاء کی یہی شان ہے کہ ان پر امتحان آتے ہیں لیکن انجام کار کامیابی انہی کی ہوتی ہے؟''

اور قرآن مجید میں واضح اعلان فرما دیا گیا ہے کہ جہاد سے جڑے انسان کے لئے ہر حال میں کامیابی ہی کامیابی ہے۔ فتح بھی کامیابی اور ظاہری شکست بھی، اس لئے بدر والوں کو بھی فتح کی مبارکباد دی گئی اور احد سے زخمی لوٹنے والوں کو بھی ''الاعلون'' کے خطاب سے نوازہ گیا۔

چلئے اب پہلے سوال کی طرف لوٹتے ہیں۔

جہاد میں فتح بہت قیمتی ہے۔ اس سے اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام قائم ہوتا ہے اور مقاصدِ بعثت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس سے شعائر اللہ کی عظمت قائم ہوتی ہے۔ اس سے زمین کو عدل و انصاف ملتا ہے۔ اس سے مظلوم و مقہور مسلمانوں کو آزادی، راحت اور عزت نصیب ہوتی ہے۔ اس سے قرآن کا دستور نافذ ہوتا ہے۔ اس سے حرمات کا تقدس بحال ہوتا ہے۔

اس سے اسلام کو ترقی ملتی ہے اور لوگوں کے افواجاً دین میں داخلے کا دروازہ کھلتا ہے اور

فاتح مجاہد ان تمام کا اجر پاتا ہے۔صرف اس وقت نہیں بلکہ قیامت تک اس کے نامۂ اعمال میں ہر ہر عمل کا اجر برابر لکھا جاتا رہے گا۔اس لئے مجاہدین میں سے بہت سے لوگ ان مقاصد کے حصول کو سامنے رکھ کر جہاد کرتے ہیں اور اس کامیابی کو پانے کی کوشش کرتے ہیں۔

جہاد کا البتہ ایک وقت ایسا بھی ہوتا ہے جب جہاد جاری تو ہوتا ہے،خون بھی بہہ رہا ہوتا ہے اور اموال بھی خرچ ہوتے ہیں،قربانیاں بھی لگتی ہیں اور آزمائشیں بھی شدید آتی ہیں لیکن نہ کسی بڑی فتح کا کوئی سراغ نظر آتا ہے اور نہ ظاہری کامیابی کے آثار بلکہ اس کے برعکس مایوس کن حالات کا غلبہ ہوتا ہے۔عام لوگوں کو چونکہ اس کا کوئی ظاہری نتیجہ نظر نہیں آرہا ہوتا تو انہیں جہاد سمجھ بھی نہیں آتا اس لئے مجاہد کو اس زمانے میں اجنبیت اور تنہائی کا سامنا بھی ہوتا ہے۔جو لوگ جہاد سے دور ہوتے ہیں وہ اپنے اس عمل کو جواز فراہم کرنے کے لئے تاویلات کا سہارا لیتے ہیں اور جہاد کے معاملے پر خوب گرد اُچھالتے ہیں اور مجاہدین اور جہاد پر ملامت کا دور دورہ ہوتا ہے۔اس جہاد میں خوشی کے دن کم اور غم کے دن زیادہ ہوتے ہیں۔شادمانی کا زمانہ مختصر اور خوف و پریشانی کا زمانہ طویل ہوتا ہے۔ہر طرف سے سوالات کی بوچھاڑ ہوتی ہے اور شکووں کی بھرمار۔

فتح کے زمانے میں جہاد کے ساتھ چلنے والے بہت ہوتے ہیں جبکہ اس زمانے میں ہر کوئی جان چھڑاتا ہے اور نظریں چراتا ہے۔ایسے میں بظاہر اس سوال کا جواب مانگا جائے تو غالب اکثریت کا رجحان یہی ہوگا کہ فتح و کامرانی کا زمانہ زیادہ قیمتی ہے لیکن حقیقت یہ نہیں ہے۔

”برابر نہیں ہیں تم میں وہ لوگ جنہوں نے فتح (مکہ) سے قبل قتال کیا اور مال خرچ کیا یہ لوگ درجے کے اعتبار سے بہت اونچے ہیں اُن سے جنہوں نے فتح (مکہ) کے بعد قتال کیا اور مال خرچ کیا اور اللہ تعالیٰ کا ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ ہے۔“(الحدید)

فتح مکہ سے پہلے اسلام کی خاطر لڑنے اور مال قربان کرنے والے بعد والوں سے بہت

آگے بڑھ گئے، اگر چہ اللہ تعالیٰ کا ہر ایک گروہ سے وعدہ ہے کہ جو بھی جس زمانے میں بھی جہاد کرے گا خوب اَجر پائے گا، لیکن فرق ہے اور فرق بھی معمولی نہیں ۔ پہلے قتال کرنے والے اور انفاق کرنے والے درجے کے اعتبار سے بعد والوں سے عظیم نہیں بلکہ ''اعظم''، یعنی بہت اونچے، بہت بڑے ہیں ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!

بعد والوں میں سے اگر کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا راہ جہاد میں خرچ کرے تو وہ فتح مکہ سے پہلے والوں میں سے کسی کے ایک مُد جو کے اجر کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا ۔

فتح مکہ کے بعد فتوحات ہی فتوحات ہیں ۔ اسلام کا ہر طرف بول بالا ہے ۔ بڑے بڑے لشکر ہیں اور ہر لشکر فتح و کامرانی کے ساتھ لوٹتا ہے ۔ اس کے بعد زمین پر اسلام کا بول بالا ہے ۔ اسی کے بعد روم و فارس جیسی عظیم سلطنتوں پر اسلام کے پرچم لہرائے لیکن یہ سب کرنے والے بدر و احد والوں کو نہیں پہنچ سکتے ۔ اور فتح مکہ سے پہلے جہاد کرنے والوں نے تو بس چھوٹی چھوٹی چند خوشیاں دیکھی ہیں باقی تو اُحد کے زخم ہیں اور اَحزاب کا خوف اور شدید امتحان ۔ ایمان کو متزلزل کر دینے والا لرزا دینے والا امتحان ۔ ان کے پاس تو بئرِ معونہ ہے اور رجیع ہے ۔ ان کے پاس تو ذات الرقاع کے چیتھڑے ہیں اور مثلہ کی ہوئی لاشیں ۔ نہ خلافت کا قیام ہے اور نہ زمین کا قبضہ، نہ قیدیوں کی رہائی ہے اور نہ شعائر اللہ کی آزادی ۔ ان کی داستانیں کارناموں سے خالی ہیں، اور زخموں سے پُر ہیں ۔

لیکن وہ بہت آگے بڑھ گئے، وہ درجے کے اعتبار سے اَعظم ہو گئے ۔ اس قدر آگے کہ بعد میں روم و فارس فتح کرنے والے اور عالم پر اسلام کے جھنڈے گاڑنے والے انہیں یاد کر کے رشک کے آنسو بہایا کرتے اور خود پر افسوس کیا کرتے تھے ۔

فرمایا الصادق الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے: جہاد کرنے والے اگر فتح و غنیمت پالیں تو وہ دو ثلث بدلہ دنیا میں وصول کرنے والے ہو جاتے ہیں اور اگر انہیں صرف زخم ملیں اور آزمائشیں تو ان کا

تمام تر اجر انہیں آخرت میں ملتا ہے۔

سننے والے حقیقی سمجھدار اور اصلی عقلمند لوگ تھے۔ فتح وغنیمت پا کر شکر کے ساتھ ساتھ رویا بھی کرتے تھے اور فتح دیکھے بغیر چلے جانے والوں پر رشک بھی کیا کرتے تھے۔

فتح مکہ کی عظیم خوشی تک پہنچنے والا جہاد سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی ایک بہت معمولی سی مہم سے شروع ہوا تھا۔ اس کے راستے میں بدر آیا، احد واحزاب آئے۔ یہ رجیع وذات الرقاع سے گذرا اور بالآخر فتح مکہ سے ہمکنار ہوا۔ یہ ہر جہاد کی داستان ہے۔ وہ اسی طرح کمزور اور معمولی حالت میں شروع ہوتا ہے۔ زخموں، لاشوں، آزمائشوں، ملامتوں اور خوشی وغم کے ایام سے گذرتا ہوا فتح مکہ جیسی عظیم فتوحات تک پہنچتا ہے اور اس کے بعد زمانے پر اپنا رنگ جماتا ہے۔ قیمتی ترین وقت جہاد کا وہ ہوتا ہے جس میں بظاہر فتح مبین بہت دور نظر آ رہی ہوتی ہے اور آزمائشوں و ملامتوں کی بارش ہوتی ہے۔ جو اس وقت کھڑا رہے، ڈٹا رہے اور مایوس ہو کر میدان سے نہ ہٹے اسے اگرچہ فتح دیکھنا نصیب نہ ہو لیکن وہ فتح دیکھنے والوں سے ''اعظم'' ہو جاتا ہے۔

یہ جہاد کا وہی دور ہے، فتح سے پہلے کا دور۔ یقین کامل ہے کہ اس کا انجام بھی فتح مبین پر ہوگا ان شاء اللہ۔ یہ دور کھوٹے کھرے کی پہچان کراتا ہے۔ یہ دور منافق کو صف جہاد میں گھسنے نہیں دیتا۔ یہ دور ہر دن عہد جہاد کی سچائی کا امتحان لیتا ہے۔ یہ دور ہر خوشی کے بعد آزمائش اور ابتلاء لے آتا ہے تاکہ نظریے کی گہرائی کو جانچے۔ اس دور میں قائم رہ جانے والا بڑا کامیاب ہے، بہت بڑا کامیاب۔ اور جو ہٹ جائے وہ قرآن کا یہ اعلان سنتا جائے:

''اور اگر تم روگردانی کرو گے تو وہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے''......

۱۴

پیغامِ نبوی ﷺ

مفتی محمد منصور احمد

اسلام پر ویسے ہی عمل کریں جیسا یہ ہے!

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي (صحيح بخاري: ۵۰۶۳)

''جس نے میری سنت سے منہ موڑا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں!''

تین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی (گھر میں کی جانے والی) عبادت کے بارے میں پوچھا، جب ان کو اس کے بارے میں بتایا گیا تو گویا انہوں نے اسے کم سمجھا اور کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہمارا کیا موازنہ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو سب کچھ معاف کر دیا گیا ہے۔

پہلے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا اور کبھی نہیں سوؤں گا!

دوسرے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میں ہمیشہ دن کو روزہ رکھا کروں گا اور کبھی بغیر روزہ کے نہیں رہوں گا!

تیسرے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میں ہمیشہ عورتوں سے دور رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا!

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی باتوں کے بارے میں بتایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلا کر فرمایا: میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، لیکن میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا

ہوں، جس نے میری سنت سے منہ موڑا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں!

☆ یہ قوم دو باتوں کی وجہ سے ہلاکت و بربادی کا شکار ہوئی ہے: ایک افراط یعنی حد سے بڑھ کر غلو اختیار کرنا اور دوسری تفریط یعنی کوتاہی اور بے عملی اختیار کر لینا!

☆ افراط یعنی حد سے آگے بڑھنے کا نتیجہ فکری الجھنوں، دین بیزاری اور یورپ کی پیروی کی صورت میں نکلتا ہے!

☆ یہ عظیم ترین دین یعنی اسلام آپ اس کو دیکھ لیں، آپ اسے ہر پہلو سے افراط یعنی غلو اور تفریط یعنی کوتاہی کے درمیان پائیں گے!

☆ اسلام میں جرات و بہادری درحقیقت لاپرواہی اور بزدلی کے درمیان کا راستہ ہے!

☆ اسلام میں سخاوت فضول خرچی اور کنجوسی کے درمیان طرزِ عمل اختیار کرنے کا نام ہے!

☆ اسلام میں حیا اور شائستگی بلاوجہ شرم اور بے حیائی کے درمیان کا راستہ ہے!

☆ اسلام میں عفت و پاکیزگی، درحقیقت جائز لذات کو چھوڑ دینے (یعنی رہبانیت) اور ناجائز چیزوں کو حلال سمجھنے (یعنی اباحیت) کے درمیان کا راستہ ہے!

☆ اسلام ایک عظیم دین ہے جو روح اور جسم دونوں کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے، دین اسلام عقل اور دل دونوں ہی کیلئے قابل قبول ہے،

☆ لہذا آپ بھی اسلام کو اسی طرح قبول کریں جیسا یہ ہے!

آپ کی نیکی کا فائدہ آپ کی اولاد کو بھی ملے گا!

أَنَا وَلِيُّهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (مسند احمد: ۱۷۵۰)

”میں دنیا و آخرت میں ان (جعفر رضی اللہ تعالی عنہ کی اولاد) کا سرپرست ہوں“

سیدنا حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ غزوہ موتہ میں مقامِ شہادت پر فائز ہوئے اور آپ نے اپنے بعد دو معصوم بچوں کو یتیم چھوڑا، ان بچوں کی والدہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اُن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لے کر آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان بچوں کو گلے لگایا، پھر

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان خاتون سے فرمایا:

کیا آپ کو ان بچوں کی غربت کا ڈر ہے، جبکہ میں دنیا و آخرت میں ان کا سرپرست ہوں؟

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعاء کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض کی:

''یا اللہ! جعفر کے خاندان ہی میں سے کسی کو ان کا جانشین بنادے اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خرید و فروخت میں برکت عطاء فرما۔

☆ سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالٰی عنہ بڑے ہوئے تو وہ انتہائی دولت منداور خاندان کے سب سے زیادہ خیرات کرنے والے فرد تھے!

☆ یاد رکھیں والدین کی نیکی اولاد کی زندگی کی ضمانت اور بیمہ ہے!

☆ یہ اللہ کی طرف سے انسانوں کیلئے ایک ایسا قانون ہے جس میں قیامت تک کوئی تبدیلی نہیں ہوگی!

☆ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ اور سیدنا خضر علیہما السلام کو ایک ملک سے دوسرے ملک بھیجا، صرف اس لیے کہ وہ دو یتیم بچوں کی دیوار کو نہ گرنے دیں اور اس دیوار کے نیچے دبا ہوا ان بچوں کا خزانہ ضائع نہ ہو اور قرآن مجید نے اس کی وجہ صرف یہی بیان فرمائی کہ ان کے والد نیک آدمی تھے!

☆ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی وفا ہوسکتی ہے اور اس سے بڑھ کر بھی حفاظت کا کوئی طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے؟!

ایک نامعلوم شخص جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام جانتے ہیں نہ حضرت خضر علیہ السلام اور نہ ہی ہم جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم اور قرآن مجید میں مذکور اپنے سب سے مشہور ولی کو صرف اس لیے بھیجا ، تاکہ اس نیک آدمی کے بچوں کی دیوار کو ٹھیک کردیں، وجہ کیا تھی کہ ان کا والد نیک آدمی تھا!

☆ آپ کے بچوں کا مستقبل آپ کے ہاتھ میں ہے، اسے ایمان اور نیکی کے ذریعے محفوظ بنائیں!

حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی سیرت مبارکہ

قاری نوید مسعود ہاشمی

سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے پہلی رفیقۂ حیات ہیں، یوں تو آپ رضی اللہ عنہا کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں لیکن نمایاں وصف یہ ہے کہ اپنے مقدس شوہر کی ہر خوشی وغم میں شریک رہنے والی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اعلان نبوت فرمایا تو یہ بغیر کسی توقف کے ایمان لائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر قدم پر بھرپور نصرت فرمائی، تبلیغ دین کی راہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستایا جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی جاتی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی آپ کی دلجوئی فرمایا کرتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسکین قلب کا باعث بنتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر ممکن اکرام فرماتیں جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غم دور ہو جاتا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وہ پہلی خاتون تھیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں اور آپ کا ساتھ دیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سختیوں اور پریشانیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی وتشفی دی اور آپ کا ساتھ دیا اور اپنا مال خرچ کرنے میں دریغ نہیں کیا اور آپ کو جو قدرت اور شہرت حاصل تھی اس کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر طرح سے مدد کی، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ ان کو پسند کرتے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ان صفات کے ساتھ آسمان میں چمکتے ہوئے ستارہ کی طرح ہیں اور ان کے وجود سے تمام عورتوں کی آنکھیں روشن تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مقام ومرتبہ اس قدر بلند وبالا تھا کہ خالق کائنات نے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ ان کو سلام کہلایا اور آپ کو بہت عظیم ثواب کا وعدہ دیا۔ ایسا عظیم ثواب جو آج تک کسی گزشتہ صحابی کو نہیں ملا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کیلئے مریم علیہا السلام کی طرح آسمانی دسترخوان نازل ہوتا تھا جیسا کہ بخاری نے اپنی صحیح میں ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئے اور ایک

بہشتی برتن میں بہشت کے کھانے لائے اور کہا: یا رسول اللہ! یہ دسترخوان خداوند عالم کی طرف سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کیلئے ہے اور ان کو میرا اسلام کہنا اور ان کو خوش خبری دینا کہ تمہارے لئے بہشت میں ایسا محل ہے جس میں کوئی شور اور سختی نہیں ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ سے منسلک ہر رشتہ کا اکرام فرماتیں، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی والدہ حضرت سعدیہ حلیمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور قحط سالی اور مویشیوں کے ہلاک ہونے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بات کی تو انہوں نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو 40 بکریاں اور ایک اونٹ تحفتاً پیش کیا۔ (طبقات الکبری جلد ا صفحہ نمبر 92)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدق و دیانت کا تذکرہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ

"میرا مال تجارت لے کر شام جائیں، میرا غلام میسرہ آپ کے ہمراہ ہوگا" اور یہ بھی فرمایا "جو معاوضہ میں آپ کے ہم قوموں کو دیتی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا دگنا دوں گی"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حامی بھرلی اور بصریٰ (شام) کی جانب روانہ ہوگئے، وہاں پہنچ کر جو سامان ساتھ لے گئے تھے اسے فروخت کیا اور دوسرا سامان خریدلیا، نیا سامان جو مکہ آیا تھا اس میں بھی بڑا نفع ہوا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آمدنی سے خوش ہو کر جو معاوضہ طے کیا تھا اس کا دگنا ادا کیا۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیک نامی، حسن اخلاق اور امانت وصداقت کی شہرت کے چرچے ہونے لگے جو ہوتے ہوتے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تک بھی پہنچے، چنانچہ واپس آنے کے تقریباً تین ماہ بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس شادی کا پیغام بھیجا اس وقت ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا لیکن ان کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوطالب اور تمام رؤسائے خاندان، جن میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر آئے، حضرت ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبہ نکاح پڑھا اور پانچ سو درہم طلائی مہر قرار پایا، شادی کی تقریب بعثت سے پندرہ سال پیشتر انجام پذیر ہوئی، یہ پچیس عام الفیل تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا 24 سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہیں۔ (سیرۃ خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص 583)

آغاز وحی کے وقت سے اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت و معاونت کا فیصلہ کرلیا تھا اور وہ نبوت ملنے کی ابتدائی گھڑیوں میں ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئی تھیں۔ سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں۔ قبول اسلام کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر 55 سال تھی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قبول اسلام سے اسلام کی اشاعت پر بڑا خوشگوار اثر پڑا، ان کے خاندان اور اعزہ و اقارب میں سے بہت سے لوگ اسلام لے آئے۔

شعب ابی طالب سے نکلنے کے چند روز بعد نماز فرض ہونے، یعنی واقعہ معراج سے قبل 10 رمضان، 10 نبوت کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بعمر 65 برس وفات پائی۔ یہ ہجرت سے تین سال پہلے کا واقعہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجون میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دفن کیا، خود قبر میں اترے، اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت ابو طالب نے وفات پائی، ان دونوں عزیزوں کی وفات سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے حد صدمہ ہوا، اسی نسبت سے اس سال کو عام الحزن کہا جاتا ہے۔

قبول اسلام کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دولت و ثروت تبلیغ دین و اشاعت اسلام کے لیے وقف ہوگئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجارتی کاروبار چھوڑ کر عبادتِ الٰہی اور تبلیغِ اسلام کے کاموں میں مصروف ہوگئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام اولاد انہی سے پیدا ہوئی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اکثر یاد کیا کرتے تھے اور ان کی خدمات کا اعتراف کرکے فرمایا کرتے تھے کہ

"خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اس وقت میری تصدیق کی اور مجھ پر ایمان لائی جب لوگوں نے میری تکذیب کی۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے مجھے اپنے مال و منال میں شریک کرلیا"

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا میں اتنی خوبیاں تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندگی بھر انہیں یاد کرتے رہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا سلام لے کر آتے تھے۔

اللہ تعالیٰ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اپنی شایان شان بدلہ عطاء فرمائیں۔ آمین

مولانا زبیر طیب

خرچ کی تمنا

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے راستے میں خرچ کرنے کی توفیق دیں اور ہمارے دلوں میں وسعت دیں اور ہمارے لئے مال کو خیر کا ذریعہ بنائیں۔آمین

بنیادی نکتہ

انفاق کا پہلا اور بنیادی زینہ ''یقین'' ہے۔جب تک انسان کے دل میں یہ بات پختہ نہ ہو جائے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے،اس وقت تک وہ حقیقی معنی میں خرچ نہیں کرسکتا۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ'' (النحل) اور تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔اسی طرح فرمایا: ''وَأَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ'' (الحدید) اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں نائب بنایا ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں ''مالک'' نہیں بلکہ ''خلیفہ اور امین'' قرار دیا ہے۔اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مال ہمارا ذاتی نہیں،بلکہ امانت ہے۔

انسان کتنی ہی محنت کرلے،کتنی ہی دوڑ دھوپ کرلے،کتنی ہی تجارت کرلے اگر اللہ تعالیٰ نا چاہیں تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔کتنے لوگ دن رات محنت کرتے ہیں مگر رزق محدود رہتا ہے اور کتنے ایسے ہیں جنہیں بغیر توقع کے نعمتیں مل جاتی ہیں۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ اصل دینے والا ''اللہ''

ہے ۔حدیثِ مبارکہ میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ’’ابن آدم کہتا ہے: میرا مال، میرا مال! حالانکہ تیرا مال تو وہی ہے جو تو نے کھا کر فنا کر دیا، پہن کر بوسیدہ کر دیا، یا صدقہ کر کے آگے بھیج دیا۔‘‘ (مسلم) پس پہلا قدم یہ ہے کہ دل مان لے کہ میرے پاس جو کچھ بھی ہے کم ہے یا زیادہ ۔ یہ میرا نہیں، یہ میرے رب کا ہے ۔میں صرف نگران ہوں ۔

بہترین تجارت

جب یہ یقین پختہ ہو جائے کہ میرے پاس جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کا ہے، تو اب اللہ تعالیٰ کے عنایت کردہ مال سے کچھ مال خرچ کرنا یہ آسان ہو جاتا ہے اور پھر اس خرچ پر جو اجر اور صلہ اللہ تعالیٰ دے رہے ہیں یہ انسان کے لئے بہترین تجارت ہے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائے ۔>

یہ کیسی عجیب تجارت ہے؟ سرمایہ بھی اسی کا، راستہ بھی اسی کا، اور نفع بھی اسی کی طرف سے کئی گنا! دنیا کی ہر تجارت میں کچھ بنیادی اصول ہوتے ہیں ۔سرمایہ اپنا ہوتا ہے، محنت اپنی ہوتی ہے، خطرہ اپنا ہوتا ہے، اور نفع غیر یقینی ہوتا ہے ۔کبھی بازار چڑھتا ہے، کبھی گرتا ہے ۔کبھی منافع ہوتا ہے، کبھی خسارہ ۔انسان ساری زندگی اسی خوف اور امید کے درمیان دوڑتا رہتا ہے ۔لیکن اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ایسی تجارت ہے جس میں بندے کے پاس حقیقت میں کچھ بھی اپنا نہیں ہوتا، پھر بھی اسے سب کچھ مل جاتا ہے ۔سوچیے، سرمایہ کس کا ہے؟ جسم اللہ کا دیا ہوا، عقل اللہ کی عطا، صحت اللہ کی نعمت، مواقع اللہ کی مہربانی، اور مال اللہ کا رزق ۔ بندہ تو خالی ہاتھ آیا تھا ۔نہ اس کے پاس کچھ تھا، نہ وہ کچھ لا سکتا تھا ۔پھر جو کچھ ملا، وہ عطا تھا، کمائی نہیں ۔اگر صحت نہ ہوتی تو محنت کہاں سے آتی؟ اگر سانس نہ ہوتی تو تجارت کہاں سے ہوتی؟ اگر حالات موافق نہ ہوتے تو ترقی کیسے ہوتی؟ پس اصل سرمایہ اللہ تعالیٰ کا تھا ۔

دنیا میں کوئی تاجر اپنے ہی دیے ہوئے سرمایہ پر کئی گنا نفع دے اور ساتھ یہ بھی ضمانت دے کہ نقصان ممکن ہی نہیں ۔ایسا کبھی نہیں ہوتا ۔مگر یہاں وعدہ ہے کہ ایک کے بدلے سات سو بلکہ اس سے بھی زیادہ ۔اور یہ اضافہ محض عددی نہیں، بلکہ برکتوں، سکون، عزت اور آخرت کی کامیابی کی

صورت میں بھی ہے۔ یہ دراصل اللہ کی شانِ کریمی ہے کہ وہ بندے کو دینے کا موقع دیتا ہے اور پھر اسی دینے کو اس کے حق میں عظیم انعام بنا دیتا ہے۔ دنیا میں تو اس کے فوائد ظاہر ہوتے ہی ہیں مگر سب سے بڑا نفع آخرت کا ہے۔ دنیا کی تجارت موت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں اکاؤنٹ بند ہو جاتا ہے۔ مگر انفاق کی تجارت قبر میں بھی ساتھ جاتی ہے، حشر میں سایہ بن جاتی ہے، میزان میں وزن بڑھا دیتی ہے اور پل صراط پر سہارا بن جاتی ہے۔

کبھی سوچیں تو یہ کیسی تجارت ہے؟ جس میں دینے والا محروم نہیں ہوتا، بلکہ مال بھی بچ جاتا ہے اور اجر بھی بڑھ جاتا ہے۔ جس میں سرمایہ بھی اسی کا، دعوت بھی اسی کی، قبولیت بھی اسی کی، اور اجر بھی اسی کی طرف سے بے حساب۔ ایسی تجارت کو چھوڑ دینا دراصل سب سے بڑا خسارہ ہے۔ اور اس میں شامل ہو جانا سب سے بڑی کامیابی۔

کہاں خرچ کریں

روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ سب سے افضل صدقہ کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جہاد کے لیے کوئی غلام دے دینا یا مجاہدین پر سایہ کرنے کے لیے کوئی خیمہ بطورِ عاریت کے دے دینا۔ یعنی مجاہدین کی مالی معاونت کر دینا یہ سب سے افضل صدقہ ہے۔

قرآنِ مجید میں جب بھی قتال فی سبیل اللہ کا ذکر آتا ہے تو ایک نمایاں ترتیب سامنے آتی ہے: ”جاھدوا بأموالکم وأنفسکم “یعنی اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔

یہ ترتیب محض لفظی نہیں، بلکہ معنوی اہمیت رکھتی ہے۔ یہاں ’مال‘‘ کا ذکر ’جان‘‘ سے پہلے آیا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قتال فی سبیل اللہ کے نظام میں مال بنیادی ستون کی حیثیت رکھتا ہے۔ قتال فی سبیل اللہ ایک اجتماعی فریضہ ہے۔ اس میں ہر شخص بنفس نفیس شریک نہیں ہوسکتا لیکن ہر صاحب استطاعت مال کے ذریعے شریک ہوسکتا ہے۔ جو شخص اپنا سرمایہ لگا کر مجاہدین کی تیاری میں حصہ ڈالتا ہے، وہ گویا میدان میں موجود افراد کے برابر اجر کا مستحق بن سکتا

ہے۔ بظاہر جان دینا سب سے بڑی قربانی معلوم ہوتی ہے، لیکن حقیقت میں مال خرچ کرنا بھی کم آزمائش نہیں۔ مال انسان کے دل سے جڑا ہوتا ہے۔ وہ اسے اپنی محنت، مستقبل اور آسائشوں کا سہارا سمجھتا ہے۔ اس سے جدا ہونا نفس پر گراں گزرتا ہے۔ اسی لیے قرآن نے بار بار اس پر زور دیا۔ جب انسان مال خرچ کرتا ہے تو وہ اپنے دل کی کمزوری پر ضرب لگاتا ہے۔ وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کی محبت اللہ اور اس کے دین سے زیادہ ہے، نہ کہ دنیاوی جمع پونجی سے۔ آج کے دور میں قتال فی سبیل اللہ کے تقاضے پہلے سے کہیں زیادہ پیچیدہ اور مہنگے ہو چکے ہیں۔ تیاری، ٹیکنالوجی، تربیت، مواصلاتی نظام سب بھاری وسائل چاہتے ہیں۔ ایسے میں مال کا کردار اور بھی بنیادی ہو جاتا ہے۔ اگر وسائل کمزور ہوں تو میدان کی قوت بھی کمزور ہو جاتی ہے۔ اس لیے جو لوگ مال کے ذریعے حصہ ڈالتے ہیں، وہ دراصل قتال کے ستون کو مضبوط کر رہے ہوتے ہیں۔ قرآن مجید کی یہ ترتیب ہمیں یہ سمجھاتی ہے کہ قتال فی سبیل اللہ میں مال صرف ایک معاون عنصر نہیں بلکہ بنیادی رکن ہے۔ لہٰذا جو شخص اپنے مال کو اللہ کے دین کے دفاع اور نصرت کے لیے پیش کرتا ہے، وہ اس عظیم فریضے کے بنیادی مرحلے میں حصہ لے رہا ہوتا ہے۔ یہ محض مالی تعاون نہیں بلکہ قتال کے نظام کی تقویت ہے اور اسی نسبت سے اس کا اجر بھی عظیم ہے۔

ایک آخری نکتہ

ہم اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کو بہت معمولی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید اس فلسفہ کو بہترین انداز میں ہمارے سامنے پیش کرتا ہے:

”وَأَنفِقُوا مِن مَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ الصَّالِحِينَ“ (المنافقون:10)

اور اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ کہے: اے میرے رب! مجھے تھوڑی سی مہلت دے دے تاکہ میں صدقہ کرلوں اور نیک لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔

یہ آیت انسان کے دل کو ہلا دینے کے لیے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ موت کے بعد

انسان کی زبان پر جو جملہ آئے گا، وہ کسی نئی جائیداد، کسی عہدے، کسی شہرت یا کسی دنیاوی کامیابی کی حسرت نہیں ہوگا بلکہ جب وہ دیکھے گا کہ کیسے اللہ تعالیٰ اس کے راستے میں خرچ کرنے والے کو نوازتے ہیں تو وہ تمنا کرے گا کہ کاش میں مزید خرچ کر لیتا اور انعامات کا مستحق ہو جاتا۔

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ مرنے والا شخص یہ نہیں کہتا کہ مجھے مہلت دے تا کہ میں اور مال جمع کرلوں، بلکہ وہ کہتا ہے کہ میں خرچ کرلوں۔ کیوں؟ کیونکہ اس لمحے اسے حقیقت دکھا دی جاتی ہے۔ وہ دیکھ لیتا ہے کہ جو کچھ اس نے جمع کیا تھا وہ سب پیچھے رہ گیا، اور جو کچھ اس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا تھا وہی اس کے سامنے اجر کی صورت میں موجود ہے۔

دنیا میں انسان سمجھتا ہے کہ محفوظ وہ ہے جو اس نے بینک میں رکھا ہے، جو زمین میں لگایا ہے، جو کاروبار میں گھمایا ہے۔ لیکن موت کے وقت حساب الٹ جاتا ہے۔ وہاں محفوظ وہ نکلتا ہے جو اس نے اللہ کے راستے میں دے دیا تھا۔ جو مال اس نے سینے سے لگا کر رکھا تھا، وہ ورثاء کا بن جاتا ہے۔ اور جو مال اس نے اللہ کے لیے دیا تھا، وہ اس کا اپنا بن جاتا ہے۔ اسی لیے حسرت صرف اسی چیز پر ہوگی جو اس نے نہیں کی یعنی ''انفاق''۔

یہ منظر انتہائی غور وفکر کرنے کے لائق اس لیے ہے کہ وہاں واپسی ممکن نہیں ہوگی۔ دنیا میں ہم کسی غلطی کی تلافی کر سکتے ہیں۔ کاروبار میں نقصان ہو جائے تو دوبارہ سرمایہ لگا سکتے ہیں۔ تعلیم میں کمی رہ جائے تو دوبارہ پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن موت کے بعد نہ وقت ملے گا، نہ موقع۔ آیت مبارکہ سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ آخرت میں سب سے قیمتی چیز وہ ہوگی جو اللہ کے لیے دی گئی ہوگی۔ وہاں جائیدادیں، عہدے، تعارف، شہرت، سب بے معنی ہو جائیں گے۔ وہاں وزن صرف اعمال کا ہوگا۔ اور اعمال میں بھی وہ عمل زیادہ نمایاں ہوگا جس میں دل کی محبت اور دنیا سے وابستگی کو قربان کیا گیا ہو یعنی ''انفاق''۔

پس جو شخص آج اپنے مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے، وہ دراصل آنے والی حسرت سے خود کو بچا رہا ہے۔ وہ کل کے ''کاش'' کو آج کے ''الحمد للہ'' میں بدل رہا ہے۔

آخری حصہ

رفقائے دار البیان

احادیث کی روشنی میں

منافقین کی خصلتیں

پانچویں خصلت:

جذبہ جہاد سے عاری ہونا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَغْزُ، وَلَمْ یُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ، مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ۔

[صحیح مسلم، رقم الحدیث: ١٩١٠، و ابو داود رقم الحدیث: ٢٥٠٢]

”جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ اس نے جہاد کیا نہ اس کے دل میں جہاد کا خیال آیا تو وہ ایک قسم کی منافقت پر فوت ہوا۔“

معلوم ہوا مؤمن کے دل میں جذبہ جہاد ضرور ہونا چاہیے، دل کا جذبہ جہاد سے عاری و خالی ہونا نفاق کی علامت و خصلت ہے۔

چھٹی خصلت:

متذبذب اور متردد ہونا ہے، اسلامی عقائد و احکام کے متعلق شک و شبہ میں مبتلاء ہونا کبھی کافروں کی طرف مائل ہونا اور کبھی مومنوں کی طرف جھکاؤ کرنا، امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ تَعِيرُ إِلَى هَذِهِ مَرَّةً وَإِلَى هَذِهِ مَرَّةً

[صحیح مسلم، رقم الحدیث: ٢٧٨٤، و سنن النسائی، رقم الحدیث: ٥٠٣٧]

''منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو نر کی تلاش میں دو ریوڑوں کے درمیان بھاگی پھرتی ہے، کبھی اِس ریوڑ کی طرف تو کبھی اُس ریوڑ کی طرف جاتی ہے۔''

منافق چونکہ مفاد پرست ہوتا ہے اس لیے کسی ایک موقف پر استقامت اختیار نہیں کرتا، جس طرح مغلوب شہوت بکری نر کی تلاش میں کبھی اس ریوڑ کی طرف اور کبھی اس ریوڑ کی طرف بھاگی پھرتی ہے۔

غور کیجئے! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مغلوب شہوت نر (بکرے) سے تشبیہ نہیں دی بلکہ مادہ (بکری) سے تشبیہ دی ہے کیونکہ منافق مردانہ اوصاف جراتمندی، دلیری، مستقل مزاجی اور عزم مصمم سے بے بہرہ ہوتا ہے۔

ساتویں خصلت:

ظاہر و باطن میں تضاد پایا جاتا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ ہم حکمرانوں کے پاس جاتے ہیں اور ان کے سامنے وہ باتیں کرتے ہیں جو ہمارے دل میں نہیں ہوتیں؟ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

كُنَّا نَعُدُّ ذٰلِكَ نِفَاقًا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ [صحيح البخاری، رقم الحديث:۷۱۷۸، و سنن الكبرىٰ للنسائی، رقم الحديث:۸۷۰۶]

''ہم اس طرز عمل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دور میں نفاق اور منافقت شمار کرتے تھے۔''

اللہ اکبر! آج سیاست ہی ظاہر و باطن کے تضاد اور دورخے کردار کا نام ہے جبکہ اسے نفاق و منافقت کہا گیا ہے، آج ملازم آفیسر کے سامنے، سیاستدان اپنے وڈیرے کے سامنے یہی کردار اداء کر رہا ہے، سامنے جھک کر سلام اور دل میں نفرت، کدورت اور بغض و کینہ بھرا ہوا ہے، سامنے مدح سرائی میں اتنا مبالغہ کہ آسمان اور زمین کے قلابے ملا دینا اور پشت پیچھے طعن و تشنیع اور عیب جوئی میں اخیر کر دینا، یہ منافقانہ کردار ہے ظاہر کچھ اور باطن کچھ، زبان پہ کچھ اور دل میں کچھ، سامنے کچھ اور بعد میں کچھ۔

آٹھویں خصلت:

نماز میں تاخیر کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِينَ، تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِينَ، تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِينَ يَجْلِسُ أَحَدُهُمْ حَتَّى إِذَا اصْفَرَّتِ الشَّمْسُ فَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ، أَوْ عَلَى قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللَّهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا

[سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۴۱۳]

''یہ منافقوں کی نماز ہے، یہ منافقوں کی نماز ہے، یہ منافقوں کی نماز ہے کہ ان میں سے ایک بیٹھا رہتا ہے حتیٰ کہ جب سورج زرد ہو جاتا ہے اور شیطان کے دو سینگوں کے درمیان یا ان سینگوں کے اوپر ہوتا ہے، تو اٹھ کر چار ٹھونگیں مارتا ہے اور اللہ کا ذکر اس میں بس برائے نام ہی کرتا ہے۔''

آج یہ منافقانہ روش ہمارے یہاں عام ہوتی جا رہی ہے لوگوں کی بہت بڑی تعداد نماز میں تاخیر کرتی ہے، حالانکہ بروقت نماز پڑھنا کوئی مشکل کام نہیں صرف دل کو سمجھانے والی بات ہے ایک کام کرنا ہی ہے تو آدمی بروقت کرلے، ایک محدث تھے حضرت ابراہیم بن میمون وہ لکڑی کا کام کرتے تھے کئی دفعہ وہ ہتھوڑا اٹھا چکے ہوتے اذان کی آواز آجاتی تو ہتھوڑا کیل پر مارنے کی بجائے زمین پر رکھ دیتے اور فوراً نماز کے لیے نکل پڑتے۔

نویں خصلت:

جماعت سے پیچھے رہنا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُنَافِقٌ مَعْلُومُ النِّفَاقِ

[صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۶۵۴، و مسند احمد، رقم الحدیث: ۳۹۳۶]

''ہمارا مشاہدہ ہے کہ نماز (باجماعت) سے صرف وہ انسان پیچھے رہتا ہے جس کا نفاق عیاں ہوتا ہے''

جبکہ مؤمن اس قدر جماعت پانے کا حریص ہوتا:

وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتٰى بِهٖ يُهَادٰى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتّٰى يُقَامَ فِي الصَّفِّ

[صحیح مسلم، رقم الحدیث: 654 و مسند احمد، رقم الحدیث: ۳۹۳۶]

''بلاشبہ ایک شخص کو دو انسانوں کے سہارے اٹھا کر لایا جاتا یہاں تک کہ اس کو صف میں کھڑا کر دیا جاتا۔''

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دور میں منافق اور مؤمن کے درمیان فرق تھا جو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا ہے۔

دسویں خصلت:

منافق اپنے اوپر گناہ کا کوئی بوجھ نہیں سمجھتا، حدیث میں ہے:

إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرٰى ذُنُوْبَهٗ كَأَنَّهٗ فِيْ أَصْلِ جَبَلٍ يَخَافُ أَنْ يَّقَعَ عَلَيْهِ، وَ إِنَّ الْمُنَافِقَ يَرٰى ذُنُوْبَهٗ كَذُبَابٍ وَقَعَ عَلٰى شَيْءٍ فَقَالَ بِهٖ هٰكَذَا فَطَارَ

[مسند البزار، رقم الحدیث: ۱۶۵۴]

اگر مؤمن شخص سے کوئی گناہ ہو جائے تو وہ اس قدر پریشان ہو جاتا ہے گویا کہ وہ اونچے پہاڑ کے دامن میں ہے اور یہ پہاڑ اس پر گرنے والا ہے، لیکن منافق گناہ کے بعد فکرمند نہیں ہوتا وہ ایسے ہی محسوس کرتا ہے جیسے ناک پر ایک مکھی بیٹھی ہو اور وہ اڑا دی۔''

یعنی مؤمن سے اگر کوئی گناہ ہو بھی جائے تو وہ گناہ کے بعد خوش نہیں ہوتا بلکہ اس کے دل میں فوراً اللہ کا ڈر پیدا ہو جاتا ہے اس کا دل بے قرار ہو جاتا ہے وہ توبہ کر کے ہی سکون پکڑتا ہے، لیکن منافق کو گناہ پر کوئی ندامت نہیں ہوتی۔

لمحہ فکریہ:

مکھی کا تو پھر بھی قدرے احساس ہوتا ہے لیکن آج ہمارے معاشرے کی کیفیت یہ ہو چکی ہے کہ لوگ گناہ کے بعد لذت اور فرحت محسوس کرتے ہیں اور اسے بار بار مزے کے ساتھ بیان کرتے

اور سناتے ہیں، یہ تو نفاق سے بھی بدترین کیفیت ہے۔

نفاق کوئی معمولی اخلاقی کمزوری نہیں بلکہ ایمان کے وجود کے لیے سب سے بڑا داخلی خطرہ ہے۔ یہ وہ خاموش بیماری ہے جو انسان کو بظاہر مسلمان، مگر باطن میں کھوکھلا کر دیتی ہے؛ عبادت کو رسم، دین کو مفاد، اور ایمان کو محض شناخت بنا دیتی ہے۔ زیرِ نظر خصلتیں خیانت، جھوٹ، وعدہ خلافی، گالی گلوچ، جہاد سے بے رغبتی، تذبذب، ظاہر و باطن کا تضاد، نماز میں سستی، جماعت سے دوری اور گناہ پر بے حسی یہ سب صرف کسی اور کی نشانیاں نہیں بلکہ ہر اُس شخص کے لیے لمحۂ فکریہ ہیں جو اپنے آپ کو مؤمن سمجھتا ہے۔ اصل خطرہ یہ نہیں کہ ہم ان برائیوں کو دوسروں میں دیکھیں، بلکہ اصل خطرہ یہ ہے کہ کہیں ان میں سے کوئی خصلت ہمارے اپنے اندر خاموشی سے جڑ نہ پکڑ لے۔ یہ بھی یاد رہے کہ نفاق کا علاج الزام تراشی یا فتوے نہیں، بلکہ محاسبۂ نفس، اخلاصِ نیت اور مسلسل اصلاح ہے۔ مومن وہ نہیں جو لغزش سے پاک ہو، بلکہ مومن وہ ہے جو لغزش کے بعد لرز جائے، ندامت محسوس کرے، توبہ کرے اور پلٹ آئے۔ آج امت کو سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم نفاق کو صرف تاریخ یا سیاست کا مسئلہ نہ سمجھیں بلکہ اسے اپنے دلوں کا مسئلہ مانیں۔ اگر فرد سنور جائے تو گھر سنورے گا، گھر سنورے گا تو معاشرہ بدلے گا، اور معاشرہ بدلے گا تو قیادت بھی بدلنے پر مجبور ہوگی۔ اصلاح اوپر سے نہیں، نیچے سے اٹھتی ہے، دل سے، نیت سے اور عمل سے۔ اللہ رب العزت ہمیں منافقوں کی خصلتوں سے محفوظ فرمائے، ہمارے دلوں کو اخلاص سے بھر دے، ہمارے اعمال کو صدق و دیانت کا آئینہ بنا دے، اور ہمیں قول و عمل کا سچا مسلمان بنائے۔

نفاق سے بچنے کی مسنون دعاء:

اَللّٰھُمَّ! طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَ عَمَلِیْ مِنَ الرِّیَاءِ وَ لِسَانِیْ مِنَ الْکَذِبِ وَ عَیْنِیْ مِنَ الْخِیَانَۃِ، فَإِنَّکَ تَعْلَمُ خَائِنَۃَ الْأَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ

[الدعوات الکبیر للبیہقی، رقم الحدیث:۲۵۸]

مولانا عبد الحفیظ امیرپوری

رمضان اور قرآن

رمضان اور قرآن کا آپس میں انتہائی گہرا و پختہ ربط و تعلق ہے، کیونکہ رمضان ''شہر القرآن'' ہے لہٰذا ماہ رمضان کا کثیر حصہ قرآن کی تلاوت میں صرف کرنا چاہیے، کیونکہ اسی ماہ مبارک میں یہ کلام عظیم نازل ہوا اور اس لیے بھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام اس ماہ مبارک میں رمضان کی ہر رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قرآن کا دور فرماتے تھے۔ احادیث شریف میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال مبارک اس ماہ میں بنسبت دیگر مہینوں کے مختلف ہوتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ماہ میں صدقہ واحسان وتلاوت قرآن وصلاۃ ودعاء واستغفار وتسبیح وذکر واعتکاف وغیرہ عبادات وطاعات میں انتہاء درجہ کا مجاہدہ فرماتے تھے۔

نیز حدیث شریف میں ہے کہ روزہ اور قرآن کریم دونوں قیامت کے دن شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا: یارب! میں نے اس کو دن میں کھانے پینے سے باز رکھا تھا، میری شفاعت اس کے حق میں قبول کیجیے اور قرآن کہے گا: یارب! میں نے اس کو رات کو جگایا تھا اس لیے میری شفاعت قبول فرمائیے پس دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ رمضان اور قرآن کے اسی تعلق کے متعلق حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اس مبارک مہینہ کو کلام الٰہی کے ساتھ بہت ہی خاص مناسبت ہے۔ اسی وجہ سے عموماً اللہ جل

شانہ کی تمام کتابیں اسی ماہ میں نازل ہوئی ہیں چنانچہ قرآن پاک لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر تمام کا تمام اسی ماہ میں نازل ہوا اور وہاں سے حسب موقع تھوڑا تھوڑا تئیس (۲۳) سال کے عرصہ میں نازل ہوا۔ اس کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صحیفے اسی ماہ کی یکم یا ۳ تاریخ کو عطاء ہوئے اور حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زبور ۱۸ یا ۱۲ رمضان کو ملی اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تورات ۶ رمضان المبارک کو عطاء ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انجیل ۱۲ تا ۱۳ رمضان کو ملی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ماہ کو کلام الٰہی کے ساتھ خاص مناسبت ہے اسی وجہ سے تلاوت کی کثرت اس مہینہ میں منقول ہے اور مشائخ کا معمول ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر سال میں تمام قرآن شریف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتے تھے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے تھے۔ علماء نے ان دونوں حدیثوں کے ملانے سے قرآن کے دور کرنے کا جو عام طور سے رائج ہے استحباب نکالا ہے، بالجملہ تلاوت کا خاص اہتمام جتنا بھی ممکن ہو سکے کرے۔

حضرت اقدس مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تراویح کے بعد سے صبح کی نماز تک نوافل میں مشغول رہتے تھے اور یکے بعد دیگرے متفرق حفاظ سے کلام مجید سنتے رہتے تھے اور حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تو رمضان المبارک کا مہینہ دن اور رات تلاوت ہی کا ہوتا تھا کہ اس میں ڈاک بھی بند اور ملاقات بھی ذرا گوارا نہ تھی۔" (فضائل قرآن ص ۸)

دار العلوم کراچی کے شیخ الحدیث اور ناظم تعلیمات حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید سے والہانہ عقیدت اور اس کی تلاوت کا خاص ذوق عطاء فرمایا تھا۔ حضرت کے مسترشد خاص قاری رشید احمد اعظمی صاحب لکھتے ہیں:

"اللہ رب العزت نے آپ کو قرآن کریم سے عشق اور لگاؤ کی ایک خاص کیفیت عطا کی ہوئی تھی۔ چلتے پھرتے ہر وقت آپ کی زبان پر قرآن کریم جاری رہتا۔ روزانہ پونہ گھنٹہ صبح فجر کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ مسلسل تلاوت فرماتے رہتے۔ گھر جانے کے بعد پھر ایک طالب علم کو سناتے۔ ایک عرصہ تک آپ کا روزانہ ایک قرآن شریف ختم کرنے کا معمول تھا۔ لیکن جب سے ضعف بڑھا روزانہ ۱۸ پارے

پڑھتے تھے اور تادم وفات یہی معمول رہا۔ رمضان المبارک میں تو آپ قرآن کریم کے لیے اپنی تمام مصروفیات ترک فرمادیتے اور دن رات قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول رہتے۔

چنانچہ حضرت فرماتے تھے کہ میں نے ۲۰ سال گولیمار (مسجد باب السلام) میں قرآن سنایا۔ روزانہ تراویح میں جو سواپارہ پڑھنا ہوتا، اسے میں ۲۴ مرتبہ پڑھتا۔ اس طرح روزانہ ایک قرآن ختم کرتا۔ حضرت کے سب سے بڑے صاجزادے جناب بھائی غفران محمود صاحب نے بتایا کہ اس طویل عرصہ میں میں نے ابا جان کو سوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ تراویح سے فراغت کے بعد گھر پہنچنے پر نفل کی نیت باندھ کر کھڑے ہوجاتے اور جب ہم صبح سحری کے وقت اٹھتے تو ابا جان کو اسی حالت میں پاتے۔

آخری عمر میں اس پر افسوس کا اظہار فرماتے کہ اب بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے پوری رات کھڑے ہونے کی ہمت نہیں ہوتی ہے اور قرآن کریم اتنا پختہ یاد تھا کہ جو طالب علم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا قرآن کریم سنتے تھے وہ بتاتے ہیں کہ حضرت کے پورے قرآن میں ایک غلطی بھی نہیں آتی ہے۔ تاہم کبھی کبھار کوئی اٹکن آجاتی ہے اور یہ بھی قرآن کریم کا اعجاز ہے۔ (سحبان الامت ص ۲۹۳)

یہ تو موجودہ زمانے کے ایک ولی کی رمضان میں قرآن مجید کے ساتھ محبت کا تذکرہ بطور شوق و توفیق کے کردیا، ورنہ رمضان میں تلاوت قرآن کے متعلق حضرات صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، حضرات محدثین اور اولیاء کرام رحمھم اللہ اجمعین کے معمولات محیر العقول ہیں، جن پڑھ اور سن کر انسانی عقل حیران ہوجاتی ہے کہ اتنی تلاوت کیسے کرلیتے تھے۔ یہ سب اس لیے تھا کہ وہ حضرات یہ بات اچھی طرح سے جانتے تھے کہ رمضان المبارک اور قرآن کریم کا آپس میں گہرا تعلق اور مضبوط رشتہ ہے۔

کلامِ الٰہی قیامت تک کے لیے ایک زندہ وتابندہ معجزہ ہے جو بھی انسان اس کو جس زمانے میں بھی تلاش حق کی نیت سے پڑھے گا، یہ قرآن اس کو ضرور راہِ ہدایت دکھائے گا۔ یہ وہ کتابِ مبین ہے جس کا پڑھنا، پڑھانا، سننا، سنانا، سمجھنا سمجھانا یہاں تک کہ اس کو محبت سے دیکھنا بھی ایک عبادت

ہے ۔ یہ گمراہیوں کے لئے نشانِ منزل ہے، ظاہری اور باطنی بیماریوں کے لئے پیغامِ شفاء ہے اور یہ وہ نسخہ کیمیا ہے جو دنیا اور آخرت کے تمام مسائل کا حل ہے ۔

یہ انسان کے زنگ آلود دل سے قساوت، کجروی اور برے خیالات کو ختم کر کے نیک جذبات پیدا کرتا ہے، یہ وہ تیر بہدف نسخہ ہے جو صرف افراد نہیں بلکہ مردہ قوموں کو زندہ کر دیتا ہے اور یہ وہ چشمہ صافی ہے جس پر آنے والا کبھی محروم اور مایوس نہیں پلٹتا ۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت مسلمہ کو یہ عظیم دولت عطاء فرمائی، حضرت محمد عربی ﷺ نے اس کے ذریعے علمبر دارانِ حق کی پوری ایک جماعت اور قوم پیدا کر دی جنہوں نے ایک ہاتھ میں اس کتاب کو تھاما اور دوسرے ہاتھ میں اس کتاب کی حفاظت کے لئے تلوار اٹھائی ۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے بحر و بر، مشرق و مغرب، شمال و جنوب، ایشیا و افریقہ، روم و فارس سب جگہ اس کی عظمت کے پرچم لہرانے لگے ۔ انہوں نے کتاب اللہ کو پڑھا، سمجھا اور اس پر عمل کیا تو پھر قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیئے اور ان کی شان و شوکت کو اپنے پائے حقارت سے ٹھکرا دیا ۔

وہی قرآن آج بھی ہمارے درمیان موجود ہے اور یہ زندہ کتاب ہمیں آج بھی دعوتِ عمل دے رہی ہے ۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ہر مسلمان کے لئے رمضان اور قرآن اپنی زندگی میں ایک خوشگوار انقلاب برپا کرنے کی دعوت لے کر آئے ہیں ۔ پس کتنے پیارے ہیں وہ اللہ کے پیارے بندے جن کی مبارک زبانوں پر ان مبارک راتوں میں اللہ کا کلام ہے ۔ کبھی پڑھ رہے ہیں، کبھی سن رہے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ نے حفظ کی نعمت عطا فرمائی ہے تو سنا رہے ہیں ۔

اللہ تعالیٰ معاف فرمائے ہم میں سے اکثر کو تو رمضان کی اہمیت و فضیلت کا ہی پتہ نہیں، اور رمضان کے لیے ہم نے تو خاص طور پر کوئی معمول سوچا ہی نہیں ہے کہ رمضان میں قرآن کے کتنے ختم کرنے ہیں، کیا کیا معمولات رکھنے ہیں؟ اپنی حاجات و مصروفیات کو کم کر کے کس طرح رمضان گزارنا ہے؟ وغیر ذلک

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم رمضان المبارک کو محض رسمی عبادات تک محدود نہ رکھیں بلکہ اسے اپنی

عملی زندگی میں تبدیلی کا نقطۂ آغاز بنائیں۔قرآن کریم کے ساتھ ہمارا تعلق صرف تلاوت تک نہ ہو بلکہ تدبر، تفکر اور عمل تک پہنچے۔اگر ہم روزانہ تھوڑا سا وقت بھی باقاعدگی کے ساتھ ترجمہ اور تفسیر کے مطالعہ کے لیے مخصوص کر لیں تو یقیناً ہماری فکری اور روحانی کیفیت میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے۔رمضان دراصل اپنے باطن کو سنوارنے اور قرآن کے پیغام کو زندگی کا دستور بنانے کا مہینہ ہے۔ہمیں چاہیے کہ اس ماہ مبارک کے لیے واضح منصوبہ بندی کریں۔مثلاً روزانہ کتنی تلاوت کرنی ہے، کس وقت ذکر و دعا کا اہتمام کرنا ہے، کن گناہوں سے خاص طور پر بچنے کی کوشش کرنی ہے اور کن نیکیوں کو اپنی مستقل عادت بنانا ہے۔اگر پورا قرآن ختم کرنا ممکن نہ ہو تو جتنا میسر ہو باقاعدگی سے پڑھیں، مگر اخلاص اور توجہ کے ساتھ پڑھیں۔اصل مقصود کثرت کے ساتھ ساتھ کیفیت اور للہیت بھی ہے۔

گھر کے ماحول کو بھی قرآنی ماحول بنانے کی ضرورت ہے۔اہلِ خانہ کے ساتھ مل کر تلاوت، مختصر درسِ قرآن یا کم از کم ایک رکوع کا ترجمہ سننے سنانے کا معمول بنا لیا جائے تو بچوں کے دلوں میں بھی قرآن کی محبت جاگزیں ہوگی۔یہی محبت آگے چل کر ان کی زندگیوں کا رخ متعین کرے گی اور یہی سرمایہ آخرت میں کام آئے گا۔رمضان کا مہینہ ہمیں اجتماعی طور پر بھی قرآن سے وابستہ ہونے کا پیغام دیتا ہے۔آج جبکہ فتنوں کی یلغار اور مصروفیات کی کثرت نے ہمیں گھیر رکھا ہے، قرآن ہی وہ مضبوط سہارا ہے جو ہمیں فکری انتشار اور روحانی کمزوری سے بچا سکتا ہے۔اگر ہم نے اس ماہ مبارک میں قرآن سے اپنا تعلق مضبوط کر لیا تو امید ہے کہ پورا سال بھی اس نور سے منور رہے گا۔ورنہ خطرہ ہے کہ رمضان گزر جائے اور ہم ویسے کے ویسے ہی رہ جائیں۔

یا اللہ! ہمیں رمضان المبارک کی قدر کرنے، قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھنے اور اس پر کامل عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ہمارے دلوں کو اپنے کلام کی محبت سے بھر دے اور اسے ہمارے لیے دنیا و آخرت میں ذریعۂ ہدایت و نجات بنا دے۔ یا رب! ہمارے گناہوں کو معاف فرما، ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما اور ہمیں ان خوش نصیب بندوں میں شامل فرما جن پر تو رمضان اور قرآن کی برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔آمین یا رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادعیہ نبویہ (صلوٰۃ اللہ علیٰ صاحبہا)

اَللّٰهُمَّ أَحسَنْتَ خَلْقِيْ فَأَحسِنْ خُلُقِيْ

ترجمہ یا اللہ! آپ نے میری صورت اچھی بنائی ہے، پس میری سیرت بھی اچھی فرما دیجئے۔

احمد، رقم 403/1

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَ فِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَ فِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَعَنْ يَّمِيْنِيْ نُوْرًا وَعَنْ يَّسَارِيْ نُوْرًا وَفَوْقِيْ نُوْرًا وَ تَحْتِيْ نُوْرًا وَخَلْفِيْ نُوْرًا وَاجْعَلْ لِيْ نُوْرًا

ترجمہ یا اللہ! میرے دل میں، میری آنکھوں میں، میرے کان میں، میرے دائیں طرف، میرے بائیں طرف، میرے اوپر، میرے نیچے، میرے پیچھے، نور ہی نور فرما دیجئے اور میرے لئے نور مقرر فرما دیجئے۔

بخاری رقم 6316

اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَرَبَّ إِسْرَافِيْلَ أَعُوْذُبِكَ مِنْ حَرِّ النَّارِ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

ترجمہ یا اللہ! جبرئیل ومیکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے رب! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں جہنم کی گرمی اور قبر کے عذاب سے۔

نسائی، رقم: 5519

سریہ رجیع......سریہ بئرمعونہ صفر 4 ہجری: ہذیل کے لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے تقاضا کیا کہ انہیں احکام اسلام سکھانے کیلئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے قبائل کی طرف بھیجا جائے۔ 10 صحابہ رجیع کی طرف اور ستر بئرمعونہ کی طرف بھیجے گئے۔ ہذیل کے قبائل عضل اور قارہ نے پہلے سے سوچی سمجھی سازش کے تحت غداری کی اور ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا۔ ان میں بڑی تعداد قراء کی تھی۔

رجیع کا چشمہ

بئرمعونہ کے آثار